K. No. 2166/57 Regd. No. L 922

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

جلد ۲۵ - شمارہ ۲۵ | ایڈیٹر: آل احمد سرور | یکم جولائی ۱۹۶۶ء

اردو ہال - حیدرگوڑہ، حیدرآباد

آل احمد سرور

کابل میں ایک ہفتہ

امریکہ میں ایک ادارہ ہے فرینکلن بک پروگرام۔ اس کی شاخیں ایران، افغانستان اور پاکستان میں ہیں۔ یہ ادارہ تمام اہم زبانوں میں علمی و ادبی کتابوں کی طباعت خصوصاً ترجموں کی اشاعت میں مدد دیتا ہے۔ ایران اور افغانستان میں اس کی شاخوں نے مطبوعات کا ایک خاصا بڑا سلسلہ شروع کر رکھا ہے۔ کابل کی اس کی شاخ کی طرف سے اور وہاں کی وزارت معارف اور یونیورسٹی کے تعاون سے وہاں ایک سیمینار ۲۰ جون سے ۲۵ جون تک منعقد ہوا۔

اس سیمینار میں ایران، افغانستان، پاکستان، تاجکستان اور ہندوستان کے نمائندے شریک ہوئے۔ ہندوستان کو دعوت صرف چند دن پہلے ملی۔ ہمارے سفیر نے کابل سے لکھا کہ ہندوستان سے دو نمائندے ضرور بھیجے جائیں جو سیمینار میں شریک ہو سکیں۔ ۱۰ جون کی شام کو وائس چانسلر نے مجھے ٹیلیفون کر کے دلی بلایا اور کہا کہ آپ فوراً افغانستان چلے جائیے اور مزید معلومات کے لیے دوسرے دن صبح ساڑھے دس بجے اشوک ہوٹل میں ڈائرکٹر وانا (WANA) سے ملئے جو مغربی ایشیا اور شمالی افریقہ کے مسائل کی نگرانی کرتے ہیں۔ ۱۱ جون کو ان سے ملا۔ انھوں نے مجھ سے اصرار کیا کہ میں باوجود تاخیر وقت کے اطلاع کے کسی طرح چلا ہی جاؤں۔ میرے مشورے سے انھوں نے مالک رام صاحب کو بھی بلایا اور ان کو بھی یہی تاکید کی۔

آج کل ملک سے باہر جانے کے سلسلے میں بڑے بڑے انتظامات کرنے پڑتے ہیں۔ پاسپورٹ بنوائیے، جس ملک میں جانا ہے وہاں کی سفارت سے ویزا لیجیے، پھر فارم بھریے، حکومت کو سرکاری ٹکٹ دیجیے، ایکس چینج حاصل کیجیے۔ بہر حال وزارت خارجہ کی مہربانی سے سارے مرحلے چند گھنٹوں میں طے ہو گئے۔ میں ۱۸ کی شام کی گاڑی سے علی گڑھ واپس آیا۔ نو بجے شب میں پہنچا۔ جلدی جلدی سامان باندھا اور ڈھائی بجے صبح کی دہلی ایکسپریس سے دلی کے لیے روانہ ہو گیا۔ صبح ساڑھے چھ بجے دلی پہنچا۔ منھ ہاتھ دھو کر اور ناشتہ کر کے آٹھ بجے پالم ہوائی اڈے پر پہنچا۔ وہاں تھوڑی دیر میں وزارت خارجہ کے ایک کارکن اور مالک رام دونوں آ گئے۔ کارکن نے پاسپورٹ اور دوسرے کاغذات حوالے کیے۔ ایکس چینج بھی دیا۔ ہم چیک ہو گئے اور ٹھیک نو بجے انڈین ایئر لائنس کارپوریشن کا وائی کاؤنٹ پالم سے اڑا۔ ہوائی جہاز میں کئی جگہیں خالی تھیں۔ اس سے اندازہ ہوا کہ کابل کے لیے زیادہ مسافر نہیں ہوتے۔ وائی کاؤنٹ تقریباً اٹھارہ ہزار فٹ کی بلندی پر اڑ رہا تھا۔ ہم لوگ ساڑھے تین گھنٹے میں کابل کے ہوائی اڈے پر پہنچ گئے۔ کابل کا وقت دلی کے وقت سے ایک گھنٹہ پیچھے تھا۔ گویا ہم دو گھنٹے میں کابل پہنچ گئے۔ ہوائی اڈے پر ہماری سفارت کے سکنڈ سکریٹری مسٹر ورما اور ادارہ فرینکلن کے نمائندے خرم موجود تھے۔ انھوں نے نہایت گرمجوشی سے ہمارا استقبال کیا اور تھوڑی دیر میں ہم لوگ ہوٹل کابل پہنچا دیے گئے جہاں ہمارے قیام کے لیے کمرے پہلے سے محفوظ تھے۔

کابل میں موسم دلی اور علی گڑھ کے مقابلے میں خوشگوار تھا۔ گرمی تھی مگر کم تھی۔ دھوپ میں تمازت تھی مگر ہوا ٹھنڈی معلوم ہوتی تھی۔ کابل کے شہر کے ارد گرد پہاڑ ہی پہاڑ ہیں۔ پرانے مکانات انھیں کے بیچ بسے ہیں۔ نیا شہر بڑا خوبصورت اور شاندار ہے۔ سڑکیں نہایت چوڑی

اس شمارے میں

عمارتیں جدید طرز کی۔ ہوٹل کابل کے قریب پختونستان اسکوائر ہے جہاں پختونستان کا جھنڈا بھی لگا ہوا ہے۔ پاس ہی خیبر ریستوران اور سنیما ہے ہوٹل کابل سرکاری ہے اور وہاں مغربی معیار کے مطابق ہر آسائش موجود ہے۔ ہم لوگ سامان رکھ کر سفارت خانے گئے۔ سفیر صاحب کو اطلاع کرائی انھوں نے فوراً بلا لیا۔ سفیر جنرل تھاپر ہندوستانی افواج کے کمانڈر ان چیف رہ چکے ہیں۔ اپنے آپ کو سیدھا سادہ سپاہی کہتے ہیں لیکن نہایت کامیاب ڈپلومیٹ بھی ہیں۔ افغانستان کے لوگوں سے ان کے بڑے اچھے تعلقات ہیں۔ ہم لوگوں سے تقریباً آدھے گھنٹے بڑی محبت اور بے تکلفی سے باتیں کرتے رہے۔ ہمارے آنے پر بہت خوش تھے۔ دوپہر کا کھانا ہم نے مسٹر ورما کے ساتھ کھایا۔ وہاں کچھ اور ہندوستانی اصحاب موجود تھے۔ مسٹر ورما بہار شریف کے ہیں۔ فارسی بھی خوب بول لیتے ہیں۔ قندھار سے ہمارے سفارت خانے کے کچھ لوگ بھی آئے تھے۔ غرض دلچسپ صحبت رہی۔

(باقی آئندہ)

قاہرہ میں ہند و پاک مشاعرہ ۔ سردار جعفری اور فیض احمد فیض کی شرکت

قاہرہ ۔ ۲۲ جون۔ گذشتہ روز یہاں ہندوستانی طلبہ نے ایک مشاعرہ منعقد کیا۔ اس مشاعرہ میں ہندوستان اور پاکستان کے مشہور شعرا نے شرکت کی۔ ہندوستان کے مشہور شاعر علی سردار جعفری اور پاکستان کے مشہور شاعر فیض احمد فیض نے اپنا کلام سنایا۔ ہندوستانی سفارت خانہ کے فوجی اتاشی مسٹر نرائن نے بھی مشاعرہ میں حصہ لیا۔ جناب نرائن اردو، عربی اور فارسی کے اسکالر ہیں۔ مشاعرہ میں ہندوستانی طلبہ اور مصری شعراء نے بھی اپنا کلام سنایا۔

(دعوت، دہلی)

نیشنل لائبریری میں موصولہ کتابیں

کلکتہ ۱۸ جون۔ ۶۶-۱۹۶۵ء کے دوران میں نیشنل لائبریری کلکتہ میں ڈلیوری آف بکس (پبلک لائبریریز) ایکٹ کے تحت ۲۰۱۸۵ کتابیں موصول ہوئیں چونکہ ناشروں کو اس قانون کی رو سے یہ تاکید ہوتی ہے کہ وہ اپنی اشاعت کی ایک نقل اس لائبریری کو ارسال کریں۔ لہذا حالیہ اعداد و شمار سے ملک میں شائع ہونے والی کتابوں کی فہرست و تعداد کا پتا چل سکتا ہے۔ تعداد کے اعتبار سے انگریزی کی کتابیں بدستور سرفہرست ہیں۔ موصولہ انگریزی کتابوں کی تعداد ۱۰۳۴۲ تھی۔ اس کے بعد سب سے زیادہ ہندی کی کتابیں شائع ہوئیں یعنی ۲۳۲۶ مراٹھی کے عنوانات کی تعداد ۱۹۱۲ بنگالی کی ۱۴۲۲ تیلگو کی ۱۰۸۱ جب اردو کی ۳۲۲ کتابیں موصول ہوئیں

ریاست وار تفصیل کے حساب سے دہلی میں سب سے زیادہ کتابیں چھاپی گئیں۔ دہلی سے بھیجی گئی کتابوں کی تعداد ۵۰۰۵ تھی۔

(الجمعیۃ، دہلی)

جگر مراد آبادی پر ڈاکٹریٹ

محمد اسلام صاحب کو لکھنؤ یونیورسٹی نے ان کے مقالے "جگر مراد آبادی حیات اور شاعری" پر پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری عطا کی۔

محمد اسلام صاحب نے یہ مقالہ ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی صاحب صدر شعبۂ اردو و فارسی لکھنؤ یونیورسٹی کی رہنمائی میں مرتب کیا ہے۔

(کتابی دنیا، کراچی)

امراؤ جان ادا ادبی عدالت العالیہ میں

کراچی کی ادبی عدالت عالیہ میں ایک سنسنی خیز مقدمہ پیش ہونے والا ہے جس میں لکھنؤ کی ڈیرہ دار طوائف امراؤ جان ادا مشہور ادیب مرزا ہادی رسوا کے خلاف استغاثہ دائر کرے گی۔ مقدمہ کا تعلق دلاور خاں ڈاکو، خانم جان کے چکلے، خورشید جان، بوا حسینی، نواب سلطان علی خاں نواب کی داشتہ بنو ڈومنی، نواب اور ڈومنی کے لڑکے گوہر مرزا، سیٹھ جمال چودھری، حسین المال دیوان جی وغیرہ کے علاوہ ناول کے پلاٹ موضوع اور دوسرے کرداروں سے ہے۔ انجمن طلبائے قدیم جامعہ عثمانیہ نے کراچی کے نقادوں، ادیبوں، وکیلوں اور دانشوروں سے درخواست کی ہے کہ اپنی نوعیت کی اس پہلی ادبی عدالت میں فریقین کی جانب سے وکالت کریں۔ تین جج بحثیں سماعت کرنے کے بعد مقدمہ کا فیصلہ صادر کریں گے۔ سید دیدار علی شاہ۔ سابق جسٹس اخلاق حسین، ابراہیم جلیس، ڈاکٹر اسلم فرخی، سید سبط حسن اور شان الحق حقی اس پروگرام میں حصہ لیں گے۔

(کتابی دنیا)

قیدیوں کے لیے تلگو، اردو اور ہندی کے امتحانات

حیدرآباد ۔ ۱۲ جون۔ سنٹرل جیل چنچل گوڑہ میں قیدیوں کو جیل کیمپس اسکول ہی میں اردو، ہندی اور تلگو کی تعلیم دی جا رہی ہے۔ حال ہی میں زیر تعلیم قیدیوں کا امتحان بھی لیا گیا جس کے نتائج بڑے شاندار رہے ہیں۔ آندھرا سرسوت پریشد کے تلگو امتحانات میں حصہ لینے والے ۲۴ امیدواروں کے منجملہ ۱۸ امیدواروں نے کامیابی حاصل کی مسٹر فقیر ریڈی ساری ریاست میں اول قرار دیے گئے۔ (الجمعیۃ، دہلی)

میر پر تحقیقی کام کرنے والے طالب علم کو اسکالرشپ

لکھنؤ ۔ ۴ جون۔ میر تقی میر پر تحقیقی کام کرنے والے طالب علم کو جو لکھنؤ میں رہ کر یہ ریسرچ کرے گا سو روپے ماہانہ اسکالرشپ دیا جائے گا۔

یہ اعلان آج آل انڈیا میر اکیڈمی کی اس ادبی نشست میں جو پروفیسر سید مسعود حسن رضوی کی صدارت میں اکیڈمی کے دفتر واقع ادری ہاؤس میں [illegible] رگھوپتی سہائے فراق گورکھپوری کے اعزاز میں ہوئی۔

سو روپے ماہانہ کی پیش کش صدر میر اکیڈمی جناب مقبول احمد لاری نے کی ہے۔

(قومی آواز، لکھنؤ)

محمد انصار اللہ نظر

فایق کی ایک فارسی تصنیف

سعیدیہ کتب خانہ (صدیقیہ) منشی انٹر کالج پیلی بھیت میں اردو، فارسی اور عربی کے مخطوطات قابل قدر تعداد میں تھے۔ دستبرد زمانہ سے ان میں بہت سے ضائع ہو گئے جو باقی رہ گئے تھے راقم سطور نے ان کے اوراق کی ترتیب وغیرہ کو درست کیا۔ انھیں میں فارسی انشا سے متعلق ایک کتاب دستیاب ہوئی یہ مخطوطہ بہت شکستہ و بوسیدہ حالت میں ہے اس لیے اس کے متعلق کئی ضروری امور دریافت نہ ہو سکے ان سطور کی اشاعت کا مقصد یہ ہے کہ حضرات اہل علم ازراہ علم دوستی راقم سطور کو دریافت طلب امور سے آگاہ کر دیں شکریہ۔

کتاب کا آغاز اس طرح ہوتا ہے۔

"...... نو آموز بیت کجا بہ نگاہ توجہ ملاحظہ فرمایند۔ ا۔ بہ مقتضائی آنکہ آفتاب گیتی افروز بہ قدرت جہانگیری لمعات فیض از ذرہ ضعیف دریغ ندارد، اگر کاہی بہ نگاہی ایں اوراق مشرف گردانند، مختصر شاگرد خود را مترجم کلام بزرگاں تصور فرمودہ، از عین عطا بر سہو و خطا ایراد ننمایند (کذا) بہ احسان اصلاح منت برنہند و من مستعد خدمت گذاشتہ بمصداق ...... معلوم نیست را بصیغہ رائج راجع نگردانند

....	وی نماینده حجاب حسن کلام
گر خطائی بحرف بین یا بید	.... تابید
خط اصلاح بر خطا را بید	عیب پوشی خوش است می دانید
...... شماست نگاه	از من نیک دعا جزاک اللہ"

اس بنا پر یہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ مصنف نے کتاب مکمل کرنے کے بعد اپنے استاد کی خدمت میں پیش کی تھی، اس کے قول کے مطابق اسے تصنیف کے بجائے ترجمہ (تالیف) کہنا مناسب تر ہے کتاب کے اندراجات کا اندازہ فہرست سے کیا جا سکتا ہے۔

"فہرست

مقدمہ در بیان انشا و اقسام آں

دقیقہ اول مشتمل است بر سہ فصل ــ فصل اول در بیان حمد حروف، فصل دوم ..... حروف تہجی و اختصاص آں در لغت عرب و عجم و شرح اعراب و اقسام آں، فصل سیوم ....

دقیقہ دوم مبنی بر دو فصل ــ فصل اول در بیان کیفیت حروف تہجی و ...... در تعداد اول محاورہ، فصل دوم در شرح کلیات خمس، فصل سیوم در بیان نسبت کلیات خمس، فصل چہارم در بیان کلہ فصل پنجم در بیان حروف یعنی آدات، فصل ششم در بیان فعل ... فصل ہشتم در شرح دلالت الفاظ مفردہ بر معنی، فصل نہم در بیان ... (فصل دہم) در بیان الفاظ مرکب یعنی کلام۔

دقیقہ سوم محتوی بر دو فصل ــ ..... فصل دوم در تحریر کلام نثر

دقیقہ چہارم مشتمل بر دو فصل ــ فصل اول در بیان استقام ذاتی کلام، فصل دوم در بیان استقام عارضی کلام۔

دقیقہ پنجم بر دو فصل ــ فصل اول در بیان قواعد ملفوظی، فصل دوم در بیان آداب منا ظر، فصل سیوم در شرح آداب نوکری۔

دقیقہ ششم در اصطلاحات و کنایات مشتمل است در یک فصل ...

ختم کتاب"

کتاب کا مقصد طلبہ کو نظم و نثر کے معایب اور محاسن سمجھانا ہے چنانچہ مصنف نے جا بجا اس کا لحاظ کیا ہے۔

"از آنکہ طلبہ را معرفت آں در محاورہ پارسی ..... مستعمل است و تفصیل آں خالی از فائدہ نیست نوشتہ می آید"

"تفصیل آں موجب تطویل کلام و تغلیط افہام طلبہ می شود بنا بر آں مستحسن نمود کہ اول بشرح کلیات خمس پرداختہ در بیان شروع کنند کہ طلبہ را در معرفت آں آسانی رو نماید"

وہ زمانہ تھا کہ اردو نظم و نثر ہی نہیں قواعد و اصول میں بھی فارسی کے تابع تھی، اردو سیکھنے کے لیے فارسی کے قواعد اور ضوابط سیکھنے کے سوا چارہ نہ تھا چنانچہ قواعد و انشا کی کم و بیش سبھی کتابیں اس زمانے میں فارسی میں لکھی جاری تھیں، یہ کتاب بھی اگرچہ اردو لکھنے اور بولنے اور پڑھنے والے طبقے کے لیے لکھی گئی ہے اس کے تمام مندرجات بھی فارسی میں ہیں سوائے اس کے کہ ضمناً کہیں کہیں ہندی (اردو) کا ذکر آگیا ہے مثلاً۔

"اقسام الف وصل ...... نوع سوم آنست کہ برائی افادہ معنی نابست و قرب و تواتر دو کلمہ مثل آں در آورند چنانچہ خنداخند و دوشا دوش و گونا گوں و امثال آں ..... و ایں الف در زبان ہندی متعارف است چوں بولا بول و چلا چل"

"کھل کھلا خورکیلا کہ در ہندی گودہ گویند"

ان اقتباسات سے بھی یہ بات ظاہر ہے کہ مصنف کے ذہن میں بھی یہ بات تھی کہ اس کے مخاطب اردو والے ہی ہیں لیکن ماحول پر فارسی چھائی ہوئی تھی اس لیے وہ مثال میں بھی فارسی کے اقتباسات نثر و نظم پیش کرتا ہے۔

کتاب کے مصنف اور زمانہ تصنیف سے متعلق اقتباسات ذیل سے اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

"بید راقم جا بجا ساختہ آب شیریں خوشگوار دو چوں در پیچ مسلمی مسافت چشمہ و حوضی بود احداث ایں چاہ موجب قیامت آرام مترددین و مسافرین گشتہ صاحب طبعی تاریخ آں را خوش جا بجا نمودہ رغبت رائی او بستہ۔

تاریخ گفتہ بلعت لاازال خیر جاری"

اس سے سال تعمیر ۱۰۹۳ھ معلوم ہوتا ہے جس کی صحت بہت مشکوک ہے

ملہ کتب خانے کے لائبریرین مرزا عبد الحمید بیگ صاحب کی عنایتوں کا میں بے حد ممنون ہوں کہ موصوف نے مجھے کتب خانہ کے تمام مخطوطات کو دیکھنے کی نہ صرف اجازت دی بلکہ خود بھی میرے ساتھ اپنا کافی وقت صرف کیا۔ نظر

بہرحال اس سے اتنا معلوم ہو جاتا ہے کہ مصنف کے والد کایستھ تھے اور ان کا نام دیجیت رائے تھا گیارھویں صدی ہجری کے آخر میں فارغ البالی میں بسر کرتے تھے۔ مصنف ابتدائی عمر میں نواب جانباز خاں مرحوم کی سرکار میں خطوط نویسی کے عہدے پر تعینات تھا۔

"راقم در سرکار نواب خان جانباز خاں بہادر مرحوم بخدمت خطوط نویسی ملازم بود۔ وقتیکہ اعظم الدین خان خلف نواب مرحوم از عارضۂ تپ و سرفہ شفا یافت غزلی در تاریخ شفا گزرانیدہ ہر چند قابل تحسین نبود اما از فضل و کرم نواب قدردان بعنایت خلعت [illegible] نمایاں سرفرازی یافت و آں غزل این است ۔۔۔۔۔۔

حکیم عقل تپ و سرفہ دور کرد و بہ گفت   شفائی اعظم باد ادیں یقائی عمر دوام"

اس سے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ مصنف نہ صرف ایک اچھا نثر نویس ہے بلکہ تاریخ گوئی پر بھی اسے اچھا ملکہ حاصل تھا کتاب میں اس نے جا بجا اپنے رقعات ہی نہیں مختلف اقسام نظم کے نمونے بھی پیش کیے ہیں مثلاً

رقعہ پیر روشن علی خوش نویس با التزام حروف دوایر
۔۔۔۔۔ حسب الامر دو بیت فی نعت النبی کہ از طبع ناقص بر آوردہ بودم صلی ۔۔۔ بعلوم ما آوردہ این است۔

ای دین متین تو ستون گردوں   وای شرح مبین تو یکی ماہ گردوں
روزی ز عنایت سوی فائق نظری کن   ای در شب معراج کفی پا رہ گردوں"

معلوم ہوتا ہے کہ وہ آخر عمر میں مسلمان ہو گیا تھا۔ اور اس کا تخلص فائق تھا وہ نواب آصف الدولہ کے عہد میں لکھنؤ پہنچا نواب کی فیاضی اور لکھنؤ کی خوبصورتی سے وہ بہت متاثر ہے لکھتا ہے۔

"حدیقۂ اقبال ابد اتصال فائق دفتر یست مالا مال از معانی رنگا رنگ و طومار یست پر ز نکات سحر آیات از نسخۂ عقل و فرہنگ ۔۔۔ بعد حمد و نعت ممدوح ہم بہ میدان مدح وزیر الاعظم آصف الدولہ آصف جاہ تیز گام است کہ بر ساکنان بلاد شرقیہ و غربیہ خصوصاً بر اہل فیض آباد دولت دوام است ۔۔۔۔۔ اول شجاعت ۔۔۔ دوم سخاوت ۔۔۔۔۔ سیوم عدالت ۔۔۔۔۔ چہارم عفت ۔۔۔۔۔ ذکر بلدہ لکھنؤ ۔۔۔۔۔ شہر یست کہ کشیر آب گردیدہ بہ گومتی آید با بک نقش چشم کشاید ۔۔۔۔۔ خصوصاً باغ وزیر الاعظم کہ مسمی بہ عیش باغ است ۔۔۔۔۔ خیمہ مراد در سر ہوای عرش نگاشت است عرسیت کہ نقش مراد در دماغ خیال حضرت آشیانی اکنون بہ تبیت دلفریب انگاشتہ"

کتاب میں عہد سعادت علی خاں تک کے اندراجات ملتے ہیں۔

"رقعہ در جواب مخاطب زمان خان ۔۔۔ در باب طلب تاریخ غسل شفای جناب عالی دستخط کہ بست و چہار وزن گفتہ شد تاکید حکم آوردہ بود ۔۔۔ بہ نظر انصاف ملاحظہ فرمایند کہ با وجود کثرت اوزان دیگر دو صنعت منقطی و دو خرج نمودہ شد

تاریخ غسل صحت نواب سعادت علی خاں

ہر گاہ غسل شافی مطلق طبیب شد   صحت تن وزیر جہاں را نصیب شد
غلیں شفا و سیمیں سعادت بہ یک دگر   بالام اعتدال طبیعت قریب شد
باشتیں شکوہ فای اقامت با تفاق   اقبال تکم بہ یک الف خود منیب شد
ترکیب یافت غسل شفا چوں ازیں حروف   ہر جزو بہ معنی دیگر ادیب شد
چوں رنج راز غسل شفا دور ساختم   تاریخ طرفہ تعمیہ فائق عجیب شد

۲۵۳ — ۱۴۷۱ = ۱۲۱۸ھ

خیال ہے کہ کتاب زیر بحث اسی عہد کی تالیف ہوگی۔

مولانا محمد حسین آزاد نے انشاء اللہ خاں انشا کے حال میں لکھا ہے:

"فائق تخلص ایک فلک زدہ شاعر تھا خدا جانے کس بات پر خفا ہوا کہ ان کی ہجو کہی اور خود لا کر سنائی انھوں نے بہت تعریف کی بہت اچھلے بہت کودے اور پانچ روپے بھی دیے جب وہ چلا تو بولے ذرا ٹھہریے گا ابھی آپ کا حق باقی ہے قلم اٹھا کر یہ قطعہ لکھا اور حوالہ کیا۔

فائق بے حیا جو بہ ہجوم گفت   دل من سوخت سوختہ
صلاش پنج روپے دادم   دہن سگ بہ لقمہ دوختہ بہ

(آب حیات ص ۳۶۳)"

مولانا نے بھی فائق کے متعلق کوئی تفصیلات بیان نہیں کیں۔ زمانے پر نگاہ کریں تو یہ بات بخوبی ممکن ہے کہ مولف کتاب یہی ہو۔ اس کی طبیعت میں خود ستائی بہت زیادہ ہے چنانچہ کتاب کے بیشتر مندرجات سے اس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے عین ممکن ہے کہ اسی نے انشاء کی ہجو کہی ہو چونکہ وہ اپنی اہلیت کے اظہار کے لیے فارسی میں شعر زیادہ کہتا ہے یہ بات کچھ بعید نہیں کہ انشاء نے بھی قطعہ مذکور اسی رعایت سے فارسی میں کہا ہو لیکن یہ فائق فلک زدہ نہیں معلوم ہوتا اگر زیادہ تک اس کی رسائی تھی جیسا کہ اس کے رقعات شاہد ہیں۔ یہ خیال کہ زیر نظر مخطوطہ کا مولف فائق معاصر انشاء ہے اس امر کا محرک ہوا کہ کتاب کا تعارف شائع کیا جائے کہ اس طرح انشاء اور اس عہد کی دوسری شخصیتوں سے متعلق کچھ مفید مطلب باتوں کی دریافت کے امکانات ہیں۔

فائق نے مختلف اصناف سخن کے اصول و قواعد اس دور میں لکھے تھے جب اردو شاعری تشکیلی دور سے گزر رہی تھی اس لحاظ سے بھی اس کی کتاب کی اہمیت ہے کہ اس سے اس عہد کے نظریات و تصورات اور قواعد کا پتا چلتا ہے۔ دقیقۂ اول کی فصل اول میں اس نے اقسام نظم بیان کی ہیں اس کے کچھ اقتباسات درج ذیل ہیں۔

"فصل اول در تعبیر کلام نظم ـــ کلام نظم نزد شعرا بر دو قسم است غزل، قصیدہ، تشبیب، قطعہ، رباعی، فرد، مثنوی، ترجیع، مسمط، مستزاد۔ غزل در لغت دوست داشتن و در اصطلاح شعرا نظم ابیات چند بیت متحد در وزن و قافیہ کہ بیت اول آں ابیات مصرع باشد و مصرع بیتی را گویند کہ ہر دو مصرع آں قافیہ دار باشد و آں مطلع نیز خوانند غزل زیادہ بر دوازدہ نباشد و کم از سہ بیت

(باقی صفحہ ۶ پر)

۱؎ کتاب میں بعض الفاظ کا املا بھی مختلف ہے مثلاً مثنوی کو مسنوی، نہ بہ مین منقض اور طلبا کو طلبہ (بہ ہائے ہوز) لکھا ہے۔

عکس

اسرار اکبرآبادی

جون کا جلتا مہینہ
تیز گرمی
دوپہر کا وقت
کمرے میں پھیلتی ریڈیو سے وائلن کی گرم دھن
صوفے، کتابیں، میز، کرسی
کچھ نئی الماریاں
الماریوں میں کانچ کے برتن
کھلونے
تاج کا ماڈل
نئے انداز کی چھوٹی بڑی کچھ شیشیاں
اور شیشیوں میں خوشبوؤں کے رنگ بھی جلتے ہوئے
چپتی ہوئی سی کھڑکیاں پر ادھ کھلے رنگین پردے
فرش پر قالین
دیواروں پہ تصویریں
پہاڑوں،
جنگلوں
جھیلوں کی تصویریں
یہ تصویریں عجب انداز سے تکتی ہیں اپنے آپ کی پرچھائیاں
پرچھائیوں میں وقت کی کھنچی ہوئی گہرائیاں
گہرائیوں میں غم بھری تنہائیاں
تنہائیوں میں عکس میری ذات کا اور ذات سے چپکی ہوئی چنگاریاں
چنگاریوں میں جل رہی ہے زندگی اور دور تک پانی نہیں
پانی نہیں
پانی نہیں کا شور ہے۔

تمہاری یاد

ندا فاضلی

میرے کرتے کی پھٹی جیب سے نکل
تمہاری یاد
چپکے سے نکل کر
سڑک کے شور و غل میں کھو گئی ہے
بڑی بستی ہے
کس کو فکر اتنی ......
کہ کس کھولی میں کب سے تیرگی ہے؟
یہاں ہر ایک کو اپنی پڑی ہے!

— ٭ —

غزلیں

شمیم حنفی

آندھی چلی تو ہو گئے سینے بھی بے حجاب
تھی کس قدر ہجوم تمنا میں آب و تاب

چہرے تمام پیکر سنگیں میں ڈھل گئے
شہر انا ہے ہیں تجھ سے مرے لطف کے سحاب

ٹوٹی صدا نے سب کو پشیمان کر دیا
آواز باز گشت ہے ہر بات کا جواب

یہ پتھروں کی چیخ یہ پانی کی ہچکیاں
اک حشر بن گیا ہے خموشی کا اضطراب

سیراب ہو رہے ہیں دلوں میں ابھی تھا کبھی
موسم کی تلخیوں نے مگر کر دیا خراب

وہ ہاتھ جب بڑھے تو خود اپنی خبر نہ تھی
دریا تھا لوگ جس کو سمجھتے رہے سراب

تنہائیوں کی شام بھی بدمست ہو گئی
جب رنگ لائی ساغر خورشید کی شراب

ہر راستے کے موڑ پہ اک اور راستہ
منزل سے بے نیاز ہیں بیدار ہوں کہ خواب

ہونٹوں پہ ذرد ریت کا صحرائے بیکراں
آنکھوں کے سامنے وہی پھولوں سی جواب

پلکوں پہ آ تنا یو جھ کرشمے ہیں چور چور
یہ آگہی کا دور ہے عرفان کا عذاب

اقبال ردولوی

دل کا ہر داغ جل اٹھا یارو!
آئی کس سمت سے صبا یارو!

چین دل کو نہ مل سکا یارو!
میکدہ جب سے چھٹ گیا یارو!

اب کہاں دل سے کوئی ہنستا ہے
لوگ ہنستے ہیں جبر یہ یارو!

ان مصیبت کی رہگذاروں میں
کون ہوتا ہے آشنا یارو!

کھا گئی مات گردش دوراں
جب ہوا اس کا سامنا یارو!

میں تو شاکی تھا اپنی قسمت کا
تم ہوئے کس لیے خفا یارو؟

اک نہ اک ہو گئی بلا نازل
جب بھی مانگی کوئی دعا یارو!

سب وہاں مصلحت کے بندے تھے
کون سنتا مری صدا یارو!

ایک ہلچل ہے شہر یاروں میں
میں جو حق بات کہہ گیا یارو!

اب کے اقبال پر پڑی ایسی
یاد آتا نہیں خدا یارو!

ساجد علی بانگے

گیتوں کے ساحل سے ہم نے جب تم کو آواز دی
آنکھوں کی کشتی میں بھر کر موتی سے اشک آئے ہیں

چھوٹوں کی مریادا کا بھی پاس بڑوں کو لازم ہے
ہونے بھی آکاش دھنک کے دامن چھو آئے ہیں

گجرایا ہے چاند ستارے جب سے ڈوبے لگتے ہیں
کھیتے کھوئے انساں بیتے سنگ کے لگنے آئے ہیں

جس کی کرنیں کے جانے پر جا تو پیچھے تھے
لیکن واحد حال یہ ہوا ہم اتنا لوٹ آئے ہیں

سہیل اعظمی

دوشیزۂ غم کا شہر ہے اور ہم ہیں دوستو
اس یاران کا شہر ہے اور ہم ہیں دوستو

کچھ اس کے چراغ کی کالک ہے ذہن میں
کچھ زندگی کا زہر ہے اور ہم ہیں دوستو

ٹپکا رہا ہو جیسے کوئی آگ پر شرار
ایسی جنوں کی لہر ہے اور ہم ہیں دوستو

بکھری ہوئی ہے ریت کی صورت ہماری ذات
وحشت زدہ سا دہر ہے اور ہم ہیں دوستو

جب سے قبول کی ہے محبت کی رہبری
گمراہیوں کا قہر ہے اور ہم ہیں دوستو

صفحہ ۲ سے آگے

...گر زیادہ باشد قصیدہ آیند......"

اردو میں عام طور پر غزل کی تعریف "با زناں گفتگو کردن" کہہ کر کی جاتی ہے اور اشعار کی تعداد پانچ سے اکیس تک رائج ہے۔ اشعار کی زیادتی کے سبب قصیدہ نہیں کہتے۔

"قصیدہ در لغت مغز غلیظ است و در اصطلاح شعری است مثل غزل است زیادہ بر دوازدہ بیت"

اس کے بعد تشبیب کا ذکر ہے لیکن اردو میں اسی تشبیب نے قصیدہ کا نام اختیار کر لیا ہے اور فائق نے قصیدہ کا جو تصور پیش کیا ہے وہ اردو میں نہیں ہے۔

"تشبیب در لغت ذکر ایام شباب است و صفت معشوق و شرح حال خود در عشق و در استعمال آں است کہ صفت ہر چیز کنند و ہر حال را شرح دہند خواہ احوال و اوصاف عشق خواہ گل و گلزار خواہ مناظرات و امثال آں"

اب اردو میں تشبیب قصیدہ کے ایک جزو کی حیثیت رکھتی ہے۔

"قطعہ در لغت پارہ ای است از چیزی و در اصطلاح ابیات چند است کہ متحد باشد در قافیہ و وزن و مطلع ندارد زیرا کہ اگر مطلع باشد از دو حال خالی نیست......"

اردو میں قطعہ کو ایک صنف کی حیثیت بہت بعد میں حاصل ہوئی اور اب عام طور پر قطعہ میں بھی مطلع کہنے کا رواج ہے۔

"مسمط در لغت مروارید در رشتہ کشیدن و در اصطلاح مصرع چند است کہ متفق باشد در وزن و قافیہ ... مصرع آخر کہ متفق است بہ وزن و قافیہ اصلی بیند کہ بنائے شعر بر آنست و ہر چند تعداد مصرعے قسمی شود مربع یعنی چہار مصرعی مخمس یعنی پنج مصرعی مسدس مسبع و مثمن و متسع و معشر"

"مستزاد کلامی است منظوم بعد مصرع یا بیت فقرہ از نثر مستزاد است کہ نثر مستزاد و تو یا باشد بحسب معنی با کلام منظوم و سابق و سیاق با بیت یعنی با فقرہ مستزاد در معنی خویش تمام باشد چنانچہ اگر مستزاد با شد یا نباشد معنی بیت ناتمام نشود"

"از امیر خسرو دہلوی مستزاد یعنی مصنفی ما دہ کہ بیت بی فقرہ مستقل نباشد و معنی بیت موقوف باشد بدان چنانچہ فرمایند..... ایں قسم خاصہ امیر خسرو است دیگر از شعرا کسی بایں طریق نگفتہ"

"تاریخ ایں صنعت عبارت است از کلمہ جہت حدوث و واقعہ لفظی یا مصرعی یا بیتی یا فقرہ موزوں کنند کہ حروف کتوبہ از روی حساب جمل سال واقع بار تاریخ سال ہجری باشد و حسن ایں صنعت چنان است کہ کلام تاریخ مناسبت و وابستہ باشد بدان واقعہ"

اردو شاعری میں چند اصطلاحات نے اصل کا درجہ حاصل کر لیا ہے ان کی تعریف فائق نے اس طرح کی ہے:

"فصاحت در لغت واضح بودن است کہ کل ناصح فصیح واقعہ و در اصطلاح واضح بودن کلام است از چند وجوہ اگرچہ چند و آں ضعف تالیف و تنافر کلمات و تعقید است کہ بالا مذکور شد"

"بلاغت در لغت رسیدن است و در اصطلاح رسیدن کلام بود بہ نہایت مقصود کلام و سبب تعدد حسن کلام بمقتضای مقام و مطابقت آں مقام امریست کہ داعی باشد متکلم را بایراد آں برد مخصوص مطابق مطلب"

"سلاست در لغت نرم و ملائم شدن است و در اصطلاح الفاظ کلمات است بہ سہولت و آسانی و قرات و ترکیب کلام بالفاظ متفق الوزن و الحرکات و احتراز از ثقل کلمات"

"متانت در لغت استوار بودن است و در اصطلاح استواری کلام است کہ از ترکیب الفاظ حسین المعنی و جزالت و ترتیب کلمات متین الروابط و عدیم الرکاکت و خوش نسبت مفردات بلند بحسب عبارات دل پسند حاصل آید و اخلال در آں واقع نشود غرض عبارت جزالت خوب داشتہ... مراد است کلامیکہ لطف بہم پیوستہ باشد جزالت دارد"

فائق صرف علم بیان، بدیع وغیرہ پر ہی مہارت نہیں رکھتا تھا بلکہ وہ خود کو قادر الکلام شاعر بھی سمجھتا ہے چنانچہ نثر و نظم کی کم و بیش تمام مروجہ اقسام میں اس نے اپنے کلام کے نمونے پیش کیے ہیں۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ اردو میں بھی شعر کہتا تھا اس سلسلے میں اس کے حالات کی مزید تلاش کی ضرورت

دہلی یونیورسٹی

شعبۂ اردو

اردو مخطوطات شناسی کا ایک سالہ سرٹیفکٹ کورس

شعبۂ اردو نے اردو مخطوطات شناسی کا ایک سالہ سرٹیفکٹ کورس شروع کیا ہے اس کے مقاصد مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) مخطوطات شناسی کے فن اور تکنیک کا مطالعہ۔

(۲) طالب علموں میں مخطوطات کے پڑھنے اور سمجھنے کی صلاحیت پیدا کرنا۔

(۳) مخطوطات کی صحت اور عدم صحت کے اصول و معیار متعین کرنا۔

(۴) مختلف زمانے کی تحریر پڑھنے کی مشق بہم پہنچانا، اور اردو کتابت کے مختلف طریقوں اور خطوں سے واقفیت پیدا کرنا۔

اس کورس کے لیے ان طلبہ کا انتخاب کیا جائے گا جنھوں نے اردو کا ایم۔ اے کیا ہو اور اس میں کم سے کم پچاس فیصدی نمبر حاصل کیے ہوں اور جو فارسی پڑھنے کی اچھی لیاقت رکھتے ہوں۔

داخلے کے فارم اور پراسپکٹس دفتر شعبۂ اردو، آرٹس فیکلٹی بلڈنگ، دہلی یونیورسٹی، دہلی ۷ سے حاصل کیے جا سکتے ہیں۔

اس کورس کے لیے درخواستیں موصول ہونے کی آخری تاریخ ۱۲ جولائی ۱۹۹۶ء ہے۔

مراسلہ

دھرم یگ میں اردو دشمن مہم!

"نظموں کی بھاشا اب ایک طرح سے اردو ہی ہو گئی ہے، جس سے ان نظموں کی لوک پریتا پر بھی تھوڑا بہت اثر پڑا ہے ۔۔ بھارت کے وبھاجن کی وجہ سے اردو ایک طرح سے اتر بھارت سے ہٹ گئی ہے۔ اتر پردیش، بہار، راجستھان، مدھیہ پردیش، ہماچل پردیش، ہر ایک راج کی بھاشا ہندی ہے اور اردو وہاں سے دھیرے دھیرے گھٹتی جا رہی ہے، لیکن ہندی نظموں کی بھاشا لگاتار اردو کی اور بڑھتی جا رہی ہے۔ یہ کچھ عجیب سی بات لگ سکتی ہے۔ "پریم" شبد کا استھان "محبت" اور "عشق" نے لے لیا ہے۔ بھاؤناؤں کے استھان پر جذبات آ گئے ہیں، ارمان، تمنا اور اسی طرح کے شبدوں کا پریوگ ہو رہا ہے۔ گیتوں کے استھان پر غزلیں آ گئی ہیں۔ آخر کیوں؟"

یہ اقتباس ہندی کے مشہور ادیب شری بھگوتی چرن ورما کے مضمون سے پیش ہے، جو دھرم یگ کے تازہ شمارے (۵ جون ۱۹۷۶ء) میں چھپا ہے۔ ساتھ ہی ہم بلٹز (۶ فروری ۱۹۷۶ء) کے ایک اداریے سے مختصر سا اقتباس نقل کر رہے ہیں۔

"قومی زبان کے نام پر جس قسم کی مصنوعی اور بھونڈی زبان مسلط کی جا رہی ہے اس کے خلاف پورے ملک میں احتجاج ہو رہا ہے ۔۔۔۔ یہ بات نہیں بھولنی چاہیے کہ اس احتجاج کے لیڈر کوئی اور نہیں، خود جواہر لال نہرو تھے۔ نہرو نے جنوبی اور شمالی ہند میں عوامی ہندی کو یعنی ہندستانی کو قومی زبان کی حیثیت سے مقبول بنانے میں جو خدمت انجام دی ہے وہ کسی نے نہیں دی۔ نہرو ہمیشہ یہ شکایت کرتے تھے کہ آل انڈیا ریڈیو میں جو ہندی استعمال ہوتی ہے وہ اُن کی سمجھ میں نہیں آتی۔"

بلٹز نے اسی اداریے میں لکھا تھا: "اگر ہندی کو ہندوستانی عوام کی زبان بنانا تھا تو پہلا فرض یہ تھا کہ ہندی زبان میں سادگی، لچک، آہنگ اور رواداری پیدا کی جاتی۔ سب سے پہلے تو انھیں بنیادی ہندی کو فروغ دینا چاہیے تھا تاکہ عام لوگ اسے آسانی سے روزمرہ کی زندگی میں استعمال کر سکتے۔ انھیں چاہیے تھا کہ اردو اور انگریزی کے الفاظ بے تکلف اپنائیں اور بول چال کی زبان سے الفاظ لیں اور ہندی میں جذب کر لیں۔"

دونوں اقتباسات سے زبان کے سوال پر دو ذہنی رویوں کی غمازی ہوتی ہے۔ پہلے اقتباس میں جس رویے کو اپنایا گیا ہے وہ لسانی حق تلفی، تہذیب دشمنی، لسانی تعصب و تنگ نظری کا رویہ ہے۔ دوسرا رویہ لسانی محاذ پر ترقی پسند، صحت مند اور جمہوری نقطۂ نظر کی وکالت کرتا ہے۔ یہ معقول رویہ ہے جس میں لسانی تعاون اور ادبی تہذیبی لین دین سے تمام تہذیبی اور قومی گروہوں کے لیے لسانی ارتقا اور مستقبل کی ضمانت ہوتی ہے۔

اسی لیے پچھلے سال ہندی پرچار سبھا کے اجلاس میں میسور کے چیف منسٹر نجلنگپا نے کہا تھا کہ ہندی والوں کو اپنا رویہ بدلنا چاہیے۔ انھیں تعاون اور رواداری کا رویہ اختیار کرنا چاہیے، اور اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے ذہن میں ایک بات صاف کر لیں۔ ہندی اس لیے ہماری راشٹر بھاشا ہے کہ یہ اکثریت کی زبان ہے، اس لیے نہیں کہ یہ سب سے ترقی یافتہ زبان ہے یا اس کا ادب سب سے زیادہ شاندار اور خوبصورت ہے۔

دھرم یگ نے اردو کے خلاف ہمیشہ کی طرح سے ان نظریات کا پرچار کیا ہے جن کے سوتے بھگوتی چرن ورما کے گھٹے ہوئے متعصبانہ اور زہریلے لسانی فکر و نظر سے پھوٹتے ہیں۔

ہمارے ملک کی آزادی کی قیمت وہ تقسیم تھی جس نے ہندوستان کو دو ریاستوں میں کاٹ کر رکھ دیا۔ رجعت پرستانہ، جاگیردارانہ اور تاجرانہ طاقتوں نے فرقہ بندیوں کی بنیاد پر [illegible] بازیاست نے زمین کے بٹوارے کے ساتھ ساتھ تین اہم ترین زبانوں کو بھی دو ملکوں میں تقسیم کر کے رکھ دیا۔ یہ تین زبانیں ہیں: بنگالی (بنگال کی تقسیم)، پنجابی (پنجاب کی تقسیم) اور اردو (ہندوستان کی تقسیم)۔ جب آزاد ہندوستان کا آئین بنا تو نہرو کی رہنمائی میں اکثریت کی بنیاد پر ہندی کو راشٹر بھاشا قرار دیا گیا۔ ساتھ ہی اور ۱۳ زبانوں کی انفرادی اور علاقائی حیثیت کو تسلیم کیا گیا جن کے نام آئین میں درج ہیں۔ ان زبانوں میں اردو بھی شامل ہے۔

لیکن اردو ہماری قومی زندگی میں محض آئین کی سنہری تحریروں میں اسیر ہو کے رہ گئی، کیونکہ اردو جو ہندوستان گیر مقبولیت رکھنے والی سب سے اہم اور ترقی یافتہ زبان تھی (اور آج بھی ہے) اپنی جنم بھومی یعنی اتر پردیش میں سوتیلی اولاد بنا دی گئی۔

اردو میں ابتدائی اور اعلیٰ تعلیمی سہولتوں کو محدود اور [illegible] بنا دیا گیا۔ عدالتوں اور دفتروں سے اس زبان کو نکال دیا گیا جس کی قانونی اور دفتری اصطلاحیں عام لوگوں کی زبان پر تھیں۔ اردو دشمنی کی تحریک عام کر دی گئی، رفتہ رفتہ کے نام پر اردو زبان اور اردو تہذیب، اردو کے ورثے اور تاریخ سے ہی انکار کیا جانے لگا۔ اردو کے سیکولر کردار کو فرقہ پرستی کا کفن پہنا کر تعصب، ماضی پرستی اور نارواداری کی قبر میں سلا دینے کی کوشش کی گئی۔ دوسری تمام زبانوں کو پھولنے پھلنے کا پورا موقع ملا کیونکہ ان کے علاقے متعین اور مخصوص ہیں اور ہندی کے متعصب علمبردار اُن کے فطری ارتقا پر اثر انداز نہیں ہو سکتے تھے لیکن اردو کی جڑیں جہاں تھیں وہاں اکھیڑ دی گئیں اور ایسی صورتیں پیدا کر دی گئیں کہ ۱۹۷۶ء میں پہنچ کر شری بھگوتی چرن ورما کا یہ حوصلہ ہوا کہ وہ سب سے اونچے گھوڑے پر چڑھ کر ایک فتح یاب شہسوار کی طرح اعلان کریں کہ "اردو اتر بھارت سے ہٹ گئی ہے، اتر پردیش، بہار، راجستھان، مدھیہ پردیش سے اردو دھیرے دھیرے گھٹتی جا رہی ہے۔"

تاریخ کے اوراق پلٹ کر دیکھئے اور پوچھئے کسی زبان یا تہذیب کے سینے پر کون لوگ خوشی کے شادیانے بجاتے ہیں؟ یہ کون لوگ ہیں جو اس بات پر خوش ہیں کہ وجہی، ولی، میر، غالب، اقبال، اصغر، فراق، جوش، فیض، جذبی اور منٹو کی زبان موت کی نیند سو گئی ہے؟

اردو زبان و ادب، شاعری اور تہذیب سے کن لوگوں کو اتنی کیوں بیزاری اور نفرت ہے؟ اور یہ لوگ کون ہیں جو اس بات پر خوش ہیں کہ انھوں نے نفرت اور تعصب کا زہر جو ملک کے لسانی ارتقا کے جسم میں ٹپکایا تھا وہ اپنا کام کر چکا ہے؟

بھگوتی چرن ورما کہتے ہیں "اردو ایک حیثیت سے سنسکرتی کی پرانی دھروہر ہے"

اور وہی سنسکرتی ان فلموں دوارا ہمارے دیش پر آروپت کی جا رہی ہے۔

اردو ایک خاص تہذیب کی نمائندگی کرتی ہے جو ہمارے دیش پر مسلط کی جا رہی ہے۔ خاص تہذیب سے کیا مراد ہے؟ اور مسلط کرنے کے کیا معنی ہیں؟ تمام سرکاری اور غیر سرکاری اداروں سے آپ نے اسے ایک خاص تہذیب کی نمائندگی کے جرم میں نکال دیا، اور آپ آج اطمینان کی سانس لے رہے ہیں کہ ایک خاص تہذیب کی نمائندگی کرنے والی یہ زبان شمالی ہندوستان میں اپنی جنم بھومی میں یعنی اتر پردیش، بہار اور مدھیہ پردیش میں مٹتی اور مرتی جا رہی ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ تسلیم ہی نہیں کرتے، بلکہ فخریہ اعلان کرتے ہیں کہ پچھلے اٹھارہ سال میں جو ہماری آزادی کی عمر ہے آپ نے ایک زبان کو اور اس کی آغوش میں سانس لیتی ہوئی ایک پوری تہذیب کو، اس تہذیب کو پروان چڑھانے والی تمام روایات اور تاریخ کو مارنے اور مٹانے کے سو جتن کئے، بدترین تہذیب دشمنی اور جہالت ہے جس کے ڈانڈے نازی بربریت سے ملتے ہیں جس نے یہودیوں کو ان کی تہذیب اور تاریخ کو تاراج کرنے کا بیڑا اٹھایا تھا جس نے اپنے مقدس آریائی خون کا پرچم اٹھا کر دنیا کی تمام قوموں، تہذیبوں اور زبانوں کو اپنے فوجی بوٹوں سے کچل ڈالنے کے خواب دیکھے تھے۔ یہ ذہنیت بڑی انسانیت سوز اور تباہ کن نتائج پیدا کر سکتی ہے۔

بھگوتی چرن ورما اپنی جہالت ہی کے نتائج پر خوش ہیں کہ ۱۹۴۷ء کے بعد آج بھارت میں اردو کوئی پرسان نہیں رہ گئی ہے۔ اس سے جس یوپی کی ادھستھا سولہ برس کی تھی اس نے اپنی صحت سنسکرت ہندی کے ادھم سے پائی ہے۔ وہ آج جو چوبیس پچیس برس کا آدمی ہے، اس طرح ۲۵ برس سے کم عمر والے لوگوں کی سمجھ میں اردو آتی ہی نہیں ہے۔ یہ جو ادھیکانش نظر آتے ہیں ان کی شکشا دیکشا اردو میں ہی ہوئی ہے اور جو ادھیکانش ہندی ورک ہیں وہ بھی اردو سمجھ جاتے ہیں!

بھگوتی چرن ورما کو اس کا غم ہے کہ انھوں نے اتر پردیش، بہار اور مدھیہ پردیش میں اردو کو، اردو تہذیب، روایات اور تاریخ کو دفن کر دیا، لیکن یہ کمبخت پنجابی اور سندھی اب تک اپنی اردو نہیں چھوڑتے ہیں اور ان ہی کی وجہ سے اردو اپنی سخت جانی کا ثبوت دیئے چلی جا رہی ہے۔ بھگوتی چرن ورما سے جیسے مورکھوں کو یہ بھی یقین دلانا چاہتے ہیں کہ بعض فلمیں جو ناکام ہوئی ہیں اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ ان کی زبان اردو ہوتی ہے، جو بیچارے اتر پردیشیوں کی سمجھ میں نہیں آتی۔ وہ کیا جانیں غزل "کیا چیز ہوتی ہے، عشق کیا ہوتا ہے، تمنا کسے کہتے ہیں"؟ ہندوستانی فلموں کی زبان وہ ہونی چاہیے جس کے نمونے آپ کو [illegible] نظر آئیں گے۔ [illegible] ڈیڑھ سو [illegible] مورکھ ہیں جو اپنی فلموں میں اردو بول کر اور غزلیں گا کر [illegible] اپنے لاکھوں کروڑوں روپے ڈبوئے بیٹھے ہیں۔ ان لوگوں کو چاہیے کہ [illegible] بھگوتی چرن ورما کے [illegible] موتیوں کو [illegible] بات سیدھی ہے کہ بعض فلم پروڈیوسروں اور فلم فروشوں نے اردو دشمن جذبے سے سرشار ہو کر بھگوتی چرن ورما کی زبان میں فلمیں بنائیں، لیکن [illegible] پبلک نے بھی اس کی داد نہیں دی اور مجروح سلطان پوری اور ساحر لدھیانوی [illegible] زبان اور انداز [illegible] اب

اس کا کیا علاج ہے؟ اور میں یہ بات ان فلموں کی فنی اہمیت کے پیش نظر نہیں بلکہ خالص لسانی نقطۂ نظر سے کہہ رہا ہوں کیونکہ اس مضمون میں صرف یہی پہلو پیش ہے۔ (صرف "دھرم یگ" یا اس کے ایڈیٹر کو دوش دینا زیادتی ہوگی۔ "دھرم یگ" ایک بڑی اجارہ دار اخباری زنجیر کی ایک کڑی ہے۔ اجارہ داری کے اپنے مفادات ہیں۔ ان مفادات کی حفاظت کے لیے ایک خاص سیاسی، معاشی اور تہذیبی پالیسی اپنائی جاتی ہے۔ اس پالیسی میں فرقہ پرستی، قومی عصبیت، لسانی تنگ نظری، ادبی حلقہ بندی سبھی کچھ شامل ہے۔ اسی لیے ہم نے دیکھا ہے کہ ہر زمانے میں مختلف پہلوؤں اور بہانوں سے "دھرم یگ" میں اردو پر حملے ہوتے رہے ہیں۔ کبھی غلط زبان کی آڑ میں، کبھی ادب میں حب الوطنی کی تلاش شروع ہوتی ہے اور کبھی پرکھنے کے پردے میں ہندوستان میں اردو کے ترقی پسند شاعروں اور ادیبوں کا احتساب شروع ہو جاتا ہے اور انھیں کٹہرے میں کھڑا کر دیا جاتا ہے۔ یہ ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ اردو زبان کی گھٹی میں ہی کوئی ایسی چیز پڑی ہوئی ہے جو اسے دیش بھگتی کی آگ میں تپنے نہیں دیتی۔

یہ وہی ذہنیت ہے جو ایک طرف اردو کو دیش دروہی قرار دیتی ہے اور دوسری طرف شاستری جی کی (؟) تصویر چھاپتی ہے اور پوچھتی ہے — مرنے کے بعد شاستری جی کا چہرہ سیاہ کیوں پڑ گیا تھا؟ یہ ذہنیت قومی یک جہتی، سیکولرازم اور سوشلزم کی دشمن ہے اور بھارتیہ سنسکرتی کے نام پر ملک کو پیچھے کی طرف لے جانا چاہتی ہے۔

لیکن یہ ذہنیت بڑی ہوشیار اور چالاک ہے۔ اس ذہنیت نے بعض "چند" اردو والوں کو "نواز" کر خاموش کر دیا ہے۔ یہ نوازشیں اتنی دلکش ہیں کہ اردو کے ادیب اس ذہنیت کی اردو دشمنی اور ترقی پسند دشمنی سے اس کی بیزاری کو بھی فراموش کرتے رہتے ہیں اور احتجاج کا ایک لفظ زبان سے نہیں نکالتے...... اردو دوستی ہندی کی دشمنی نہیں ہے۔ ہندی اور اردو گنگا اور جمنا کی طرح ہیں۔ دونوں ندیاں ایک ہی سرزمین پر بہتی ہیں اور زمین کو سیراب کرتی ہیں اور رنگا رنگ گل بوٹے کھلاتی ہیں۔ ان میں سے کسی ایک کے سوتے کو بھی خشک کرنے کی کوشش قوم کو ایک بڑی دولت سے محروم کرنے کی کوشش ہوگی۔

ہم گنگا پر بھی جان دیتے ہیں اور جمنا پر بھی، اور یہ لوگ جو اردو کی موت کا اعلان کر کے تالیاں بجا رہے ہیں؟

ضرورت اس کی ہے کہ ہندی اور اردو کے ترقی پسند ادیب و شاعر ہی نہیں تمام ترقی پسند قوتیں یکجا ہو کر اس قومی امانت کے حال اور مستقبل کے بارے میں سوچیں اور اس مشعل کو روشن رکھنے کی تدبیر کریں۔

اردو کے ساتھ جو انصاف آندھرا پردیش میں ہوا ہے وہی اتر پردیش، دہلی اور پنجاب میں ہونا چاہیے۔

اردو نے ہر دور میں زندگی کی بہترین قدروں کا نغمہ گایا ہے۔ اردو نے جنگ آزادی میں تیغ و تلوار کا کام کیا ہے اور فرد و قوم کے رستے ناسور کے لیے مرہم بن گئی ہے۔ اردو قوم کی زندگی ہے، حرکت و انقلاب کی ہر منزل پر روشن پرچم کی طرح لہرائی ہے اور لہرائے گی۔ اردو ایک زبان ہے، ایک تہذیب ہے، اردو ایک تاریخ ہے، ایک چیلنج ہے۔ اسے کون مار سکتا ہے؟

(اردو بلٹز)

مراسلات

اردو میں اعداد و شمار

جناب ڈاکٹر جعفر حسن صاحب کی تجویز کہ اردو میں اعداد و شمار کس طرح لکھے جائیں، اس کا صحیح فیصلہ کرنے کے لیے کمیٹی کی تشکیل نہایت مناسب ہے۔ اسی سلسلہ میں اپنی ایک تجویز جو ۱۹۵۸ء میں میں نے ہماری زبان کے ذریعہ پیش کی تھی پھر دھرانا ضروری سمجھتا ہوں۔ وہ ہے انگریزی اعشاریہ کے نشان کو اردو میں رائج کرنے کے سلسلہ میں۔ اردو اعشاریہ ہمزہ سے ملتا جلتا ہے جو حرف ہجی سے تعلق رکھتا ہے اور لکھنے میں دقت اور جگہ بھی زیادہ لیتا ہے اگر انگریزی کے اعشاریہ نشان یعنی نقطہ کو رائج کر دیا جائے تو موجودہ صفر دائرہ نما ہوگا۔ اور عموماً لاپروائی سے لکھے جانے والے پانچ کو اصلی شکل (۵) میں ہی لکھنا ضروری ہوگا۔ موجودہ شکل اور مجوزہ صورت ذیل میں نمونہ کے طور پر پیش کرتا ہوں۔

موجودہ شکل

۱۵/۵۰
۱۵/۵۰
————
۳۱/۰۰

مجوزہ صورت

۱۵۰۵۵
۱۵۰۵۵
————
۳۱۰۰۰

اگر جعفر حسن صاحب کی مجوزہ کمیٹی تشکیل پاجاتی ہے تو کمیٹی کے فیصلہ کو تمام درسی کتب میں کل ہند پیمانہ پر عملی جامہ پہنانا ضروری ہوگا۔

(مقصود احمد نگی جالسپور)

براہ کرم ان پر کوئی روشنی ڈالیں

قدیم سے اردو کی قلمی کتابوں میں اور آج سے ستر پچھتر برس پہلے کی مطبوعہ کتابوں میں بھی ٹ، ڈ اور ڑ جیسے حرفوں کی کتابت میں چار نقطے استعمال کیے جاتے تھے بعد میں ان حرفوں پر نقطوں کے بدلے (ط) لکھا جانے لگا۔ اس کا موجد کون ہے اور (ط) سے کیا مراد ہے؟ نیز غیر زبان کے مخصوص حرفوں کے لیے (ط) کیوں لکھا جاتا ہے؟ اور یہ عمل کب سے شروع ہے؟

(غلام رسول)

ایک شعر کے بارے میں

تعارف کے لیے ملاحظہ ہو "ہماری زبان" مورخہ ۱۵ رمئی و یکم جون ۱۹۶۶ء

"لاؤ تو قتل نامہ مرا میں بھی دیکھ لوں
کس کس کی مہر ہے سر محضر لگی ہوئی"

یہ شعر بلاشبہ میر محبوب علی خاں مرحوم تخلص آصف والی ریاست حیدرآباد دکن ہے۔ ۱۹۰۰ء یا اس کے ایک یا دو سال قبل ۳ یا ۴ اعلیٰ عہدیداران ریاست جو لکھنؤ اور دہلی سے یہاں آکر ملازم ہوئے تھے انھوں نے میر محبوب علی خاں مرحوم کے خلاف سیاسی سازش کی تھی جنہیں بعد تحقیقات خدمت سے علیحدہ کیا گیا۔ اور یہ سب شہر بدر بھی کئے گئے بدوران تحقیقات مہاراجہ سرکشن پرشاد جو ریاست کے ہر دلعزیز وزیر تھے ان کے ہاں ایک مشاعرہ ہوا جس میں میر محبوب علی خاں نے اپنی ایک غزل جس میں پانچ یا چھ شعر تھے اور جس میں آصف مقطع بھی موجود تھا اپنے استاد داغ دہلوی کے ذریعہ روانہ کی اور استاد نے اس کو مشاعرہ میں پڑھا۔ مشاعرہ میں چوتھے دن تحقیقات کی بنا پر سازش کرنے والے عہدیدار خدمت سے علیحدہ اور ساتھ ہی بمشورہ گورنمنٹ آف انڈیا شہر بدر کر دئے گئے۔ یہ شعر کسی طرح جلیل مانکپوری یا کسی اور سے منسوب نہیں کیا جاسکتا۔

(غوث محی الدین)

سکندر علی وجد کا ایک شعر

سکندر علی وجد کے مجموعہ کلام کا ایک نہایت دیدہ زیب جیبی اڈیشن "اوراق مصور" کے نام سے بمبئی سے شائع ہوا ہے۔ اس کے دیباچہ میں وجد صاحب فرماتے ہیں:۔

"...... ان حالات کے پیش نظر میری کتاب لہو ترنگ اوراق تازہ منسوخ کی جاتی ہیں۔ تین برس کی مسلسل محنت اور کوشش سے میں نے اپنی شاعری کا قریب قریب سارا ذخیرہ جمع کیا اس پر شروع سے آخر تک سختی سے نظر ثانی کی .... یہ کتاب (اوراق مصور) میرے اشعار کا سب سے زیادہ مکمل اور مستند مجموعہ ہے ......"

ان الفاظ کے بعد توقع تھی کہ وجد صاحب اگست ۱۹۵۵ء کے ماہنامہ شمع دہلی میں "شمع پروانہ" کے عنوان سے چھپی ہوئی غزل کے مندرجہ ذیل مقطع میں بھی مناسب ترمیم کرلیں گے یا پھر اس پر خط تنسیخ کھنچ جائے گا، مگر مقطع محروم التفات ہی رہا:

شعلۂ شمع کی لو، وجد ذرا تیز ہوئی
وار دے زندگی مختصر پروانہ! (اوراق مصور صفحہ ۲۰)

شعلہ اور لو مترادف الفاظ ہیں۔ نور اللغات میں لو کے معنی آگ یا چراغ کا شعلہ دئے گئے ہیں۔ لہٰذا دونوں میں سے کسی ایک کا استعمال کافی تھا۔ علاوہ ازیں اساتذہ کے ہاں شعلۂ شمع کی لو کی کوئی مثال میری نظر سے نہیں گزری چند اشعار ملاحظہ ہوں:۔

(۱) کچھ نہ دیکھا پھر بجز یک شعلۂ پر پیچ و تاب
شمع تک ہم نے تو دیکھا تھا کہ پروانہ گیا (میر)

(۲) شعلہ زردیوں سے کبھی دل نہ لگا، فانی
چاک کر دیتی ہے لو شمع کی پروانے کو (فانی)

(۳) لو شمع حقیقت کی اپنی ہی جگہ پر ہے
فانوس کی گردش میں کیا کیا نظر آتا ہے (اصغر گونڈوی)

(۴) اک لو سے غم کی رات ڈھل جاتی ہے
لو شمع کی چاندنی میں گھل جاتی ہے (شہاب جعفری)

(۵) کس قدر دلکش ہے حسن و عشق کا افسانہ ہے شمع کی لو وجد میں ہے رقص میں پروانہ ہے

(وحید نصیرا امت یوا)

یو۔پی میں اردو کی زبوں حالی

میں کتابوں کا ایجنٹ ہوں۔ اس سلسلہ میں میرا آنا جانا یو۔پی کے کونے کونے میں رہتا ہے۔ یو۔پی کے اسکولوں میں اردو زبان کی تعلیم میں دقت اور اسکولوں اور کالجوں کے اساتذہ و طلبہ کی مختلف پریشانیاں جو کچھ مجھے معلوم ہوئی ہیں ان کو آپ کے اخبار کے ذریعہ منظر عام پر لانا چاہتا ہوں۔ خدا کرے میری آواز آپ کے اخبار کے ذریعہ افسران محکمۂ تعلیم یو۔پی تک پہنچے اور مذکورہ مشکلات دور ہوں۔

سب سے پہلا اردو کا مسئلہ ہے۔ ۴۷ء کے بعد اردو کے ساتھ جو کچھ ہوا تھا وہ سب پر عیاں ہے۔ یہ دور ختم ہو کر جولائی ۶۳ء سے ایک نیا دور شروع ہوتا ہے۔ حکومت نے تین زبانوں کی تعلیم کا فارمولا اسکولوں میں جاری کیا۔ اس فارمولے سے ہمدردان اردو کو یہ امید ہوئی تھی کہ یو۔پی میں اردو کو دوبارہ قدرے زندگی مل جائے گی لیکن ہنوز تین سال بعد بھی آج ہم دیکھتے ہیں کہ اردو کی طرف طلبہ کی رغبت نفی کے برابر ہے۔ وہ اردو پڑھنے میں کوئی خاص دلچسپی نہیں لیتے۔ ہندو طلبہ کو تو اردو پڑھنے کا سوال ہی نہیں۔ مسلم طلبہ بھی اردو چھوڑ کر سنسکرت لینا زیادہ مناسب سمجھتے ہیں۔ طلبہ کی اردو سے بے توجہی کی حسب ذیل وجوہات ہیں:-

(ا) تین زبانوں کے فارمولے کا یو۔پی کے کالجوں میں اطلاق ہونے کے تین سال بعد بھی یو۔پی کے محکمہ نے اردو طلبہ کے لیے اردو نصاب کا اعلان ہنوز نہیں کیا۔ لڑکوں کو صرف پرائمری اسکولوں کی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں جبکہ سنسکرت کی کتابیں بیشتر چل رہی ہیں۔

(ب) اردو کی یہ کتابیں بازار میں کمیاب ہیں۔ بہت سے لڑکے بغیر کتابوں کے رہ جاتے ہیں۔ بک سیلروں کو پبلشروں سے کتابیں بہت کم ملتی ہیں۔

(ج) کتابوں سے بھی زیادہ کمی اردو کے استادوں کی ہے۔ اردو کے ٹرینڈ استاد کہاں سے آئیں جبکہ جتنے بھی یو۔پی کے نارمل جے ٹی سی اور جے بی ٹی سی اسکول یا کالج ہیں ان میں آج تک نئے استادوں کو اردو پڑھانے کے لیے طریقۂ تعلیم پڑھانے کے لیے کوئی استاد بھرتی نہیں کیا گیا ہے اور آئندہ بھی پنجسالہ پلان میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔

(د) پبلک اسکولوں یا گورنمنٹ کالجوں میں سے جتنے بھی اسکولوں اور کالجوں میں درجہ ہشتم سے اردو چل رہی ہے ان میں بھی اردو کے ساتھ سوتیلی ماں جیسا سلوک ہو رہا ہے۔ اردو پڑھانے کے لیے ہیڈ ماسٹر صاحبان ایک کلاس کو صرف تین پیریڈ دیتے ہیں۔ جبکہ دوسری زبانیں ہندی کو ہفتہ میں ۱۲ گھنٹہ اور انگریزی کو ۹ گھنٹہ دیے جاتے ہیں۔ ناظرین کہہ سکتے ہیں کہ ہفتہ میں صرف تین گھنٹہ کی پڑھائی سے اردو طلبہ کو کیا پڑھایا جا سکتا ہے کیونکہ اردو کی تعلیم کے ساتھ ایک نیا رسم الخط بھی سیکھنا ہوتا ہے لیکن چونکہ سنسکرت کو تین گھنٹے دیے گئے ہیں اس لیے اردو کو بھی تین ہی گھنٹے دیے جاتے ہیں جو سراسر ناانصافی ہے۔

(س) اردو طلبہ کو ہندی، انگلش اور اردو کے ساتھ لازمی سنسکرت بھی پڑھنے پر زور دیا جاتا ہے اس لیے اردو کے طلبہ کو چار زبانیں پڑھنی ہوتی ہیں جبکہ ان کے مقابل سنسکرت والے تین زبانیں پڑھتے ہیں۔ اس لیے مسلمان لڑکے بھی اپنی سہولت کے لیے اردو کے بجائے سنسکرت لینا ہی آسان سمجھتے ہیں۔

(ص) یو۔پی کے محکمۂ تعلیم نے اردو پڑھنے والوں کی سہولت کے لیے دو قسم کے کورس جاری کیے ہیں۔ ۱۔ وہ لڑکے جو پہلے سے اردو پڑھتے آتے ہیں اور جنھوں نے اپنی مادری زبان اردو میں درجہ پنجم کا امتحان پاس کیا ہے ان کے لیے اردو کا قدیم کورس ہے۔ دوسرے وہ لڑکے جنھوں نے پرائمری درجے میں اردو بالکل نہیں پڑھی ہے انھیں آسان اردو پڑھائی جاتی ہے۔ لیکن اسکولوں اور کالجوں میں جو ٹائم ٹیبل اردو کے لیے رکھا جاتا ہے اس میں ایک کلاس کے لیے صرف ایک پیریڈ ہی دیا جاتا ہے جس میں مذکورہ بالا دونوں فریقوں کو ایک ہی گھنٹہ میں اردو پڑھائی جاتی ہے۔ ناظرین سمجھ سکتے ہیں کہ ایسی حالت میں اردو کا استاد کیا پڑھا سکتا ہے اور اردو پڑھنے والے کیا پڑھ سکتے ہیں۔

(ض) لڑکیوں کے اسکولوں میں اردو کہیں شاذ و نادر ہی جاری ہوئی ہے ورنہ زیادہ تر اسکولوں میں مسلمان لڑکیوں کو اردو کی استانی کا خرچ نہ دینے کی وجہ سے سنسکرت ہی کی تعلیم کا انتظام ہونے پر سنسکرت ہی پڑھنی پڑتی ہے۔ اس طرح وہ ایک پڑھی لکھی عورت بنتے ہوئے بھی اردو پڑھنے سے محروم رہ جاتی ہے۔

(ط) یہی حالت آج تمام ہندو اسکولوں اور کالجوں کی ہے وہاں پر بجٹ کی کمی کو اردو کے استاد نہ رکھ کر پورا کیا جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ لڑکے جو اردو لینا چاہتے ہیں اردو پڑھنے سے محروم رہ جاتے ہیں اور سنسکرت ہی پڑھنی پڑتی ہے۔

سنسکرت پڑھنے والے طلبہ کے لیے حکومت یو۔پی کے محکمۂ تعلیم نے خاص وظائف کا اعلان کیا ہے تاکہ اردو پڑھنے والے بھی سنسکرت کی طرف زیادہ سے زیادہ مائل ہوں۔ (مشتاق احمد گورمانی، الہ آباد، بشکریہ جاوید)

دہلی یونیورسٹی

دو سالہ اردو ایم لٹ کورس

دو سالہ اردو ایم لٹ کورس کے لیے درخواستیں مطلوب ہیں۔ یہ کورس دو حصوں پر مشتمل ہوگا۔

پہلا حصہ (سال اول) اردو کے اصول تحقیق کا ایک سالہ سرٹیفکیٹ کورس۔ یہ کورس پی ایچ ڈی کے تمام طلبہ کے لیے لازمی ہوگا البتہ یہ کورس ان طلبہ کے لیے اختیاری ہوگا جنھوں نے ایم۔اے فرسٹ ڈویژن میں پاس کیا ہو۔

دوسرا حصہ (سال دوم) جس کو پورا کرنے کے بعد ایم لٹ کی ڈگری ملے گی۔

اس کورس میں وہ طلبہ داخلہ لے سکیں گے جنھوں نے کسی منظور شدہ یونیورسٹی سے ایم اے اردو سیکنڈ ڈویژن میں پاس کیا ہو اور مجموعی اعتبار سے پچاس فی صدی نمبر حاصل کیے ہوں۔ داخلے کے فارم اور قواعد شعبہ اردو دہلی یونیورسٹی (دہلی) سے حاصل کیے جا سکتے ہیں۔

درخواستیں قبول کرنے کی آخری تاریخ ۱۴ جولائی سنہ ۱۹۶۶ء ہے۔

اردو کا مطالبہ پیش کرنے کے لیے وزیراعلیٰ بہار سے انجمن ترقی اردو کے وفد کی ملاقات

پٹنہ ۲۰ رجون۔ آج شام کو وزیراعلیٰ بہار سے انجمن ترقی اردو بہار کا ایک وفد ملا۔ وزیراعلیٰ کو ایک میمورنڈم بھی دیا گیا۔ وزیراعلیٰ نے وفد سے اسی یقین کا اظہار کیا جس کا اظہار وزیراعلیٰ نے صدر جمعیۃ علماء ریاست بہار حضرت مولانا نور اللہ رحمانی سے ایک ملاقات میں کیا تھا کہ "اردو کا مسئلہ ہمارے نزدیک زیر غور ہے اور اس پر جلد ہی فیصلہ کیا جائے گا۔"

آزادی کے بعد بہار ریاستی انجمن ترقی اردو کی بیسیوں کانفرنسیں ہو چکی ہیں اور بلند بانگ دعووں اور قربانیاں دینے کا عہد کرنے کے بعد یہ پہلا موقعہ ہے کہ آج انجمن ترقی اردو کے ایک وفد نے اردو کا مطالبہ باضابطہ طور پر حکومت بہار کے وزیراعلیٰ کے سامنے پیش کیا ہے۔

(پیغام نہیرو)

شاخ مالیگاؤں کی ماہانہ میٹنگ

مورخہ ۶ رجون ۶۶ء تربیتی مرکز میں انجمن کی میٹنگ جناب شبیر احمد حکیم صاحب کی صدارت میں ہوئی جس میں ذیل کے امور طے پائے:۔

(۱) پرائمری اسکولوں میں داخلے کے سلسلے میں پیش آنے والی پریشانیوں سے حکام کو آگاہ کیا جائے۔ تاکہ زیادہ سے زیادہ بچے اردو اسکولوں میں جاسکیں۔

(۲) ایس ایس سی ۶۶ء کے امتحان میں مالیگاؤں سینٹر سے کامیاب ہونے والے اس طالب علم اور اس طالبہ کو پچیس پچیس روپے کی کتابیں انعام دی جائیں جنھوں نے اردو مضمون میں سب سے زیادہ نمبر حاصل کیے ہوں۔

(۳) آخر میں ہندوپاک کے مشہور صحافی علامہ نیاز فتح پوری کی وفات پر تعزیتی تجویز منظور کی گئی۔ جس میں آل احمد سرور کے ان الفاظ سے اتفاق کیا گیا۔

"نیاز کی موت ایک فرد کی موت نہیں، ایک روایت، ایک اسلوب، ایک نسل، ایک رجحان، ایک وضع، ایک انداز کی موت ہے۔ علم وفضل، فکر ونظر، انفرادیت وبصیرت، ادب دانی، عزم واستقلال کی کتنی حکایتیں ان کے ساتھ ختم ہوگئیں۔ رہے نام اللہ کا۔"

(شعبان انصاری سکریٹری)

ہماچل پردیش میں اردو کو اس کے جائز حقوق حاصل ہیں!

چوتھے درجے سے دسویں درجے تک اردو کی تعلیم لازمی

ڈاکٹر سدارام کا ایک مراسلہ

"ہمارے وسیع النظر کرم فرما ڈاکٹر سدارام انتہائی مسرت کے ساتھ تحریر فرماتے ہیں کہ پورے قومی اور سیکولر ہندوستان میں ایک ریاست ایسی بھی ہے جس کے حکمراں ہر قسم کے تعصب و تنگ نظری سے بالاتر ہیں۔ اور انھوں نے اردو کو وہ مقام دے دیا ہے جس کی وہ آئین اور انصاف کے تقاضوں کے مطابق مستحق تھی۔ ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ ان خوش نما پہاڑوں، خوش منظر ندی نالوں اور حسین وجمیل مناظر میں بسنے والی ریاست کا نام "ہماچل پردیش" ہے۔ اور یہ وہ ریاست ہے کہ جس میں ۱۹۴۷ء کے ہنگامہ ہائے قتل وغارتگری کے دور میں بھی انسانیت پوری طرح مطمئن و محفوظ رہی، اور اس کے وزیراعلیٰ ڈاکٹر یشونت سنگھ پرمار رہے ہیں۔ ڈاکٹر سدارام صاحب نے اس ریاست کا دورہ کیا ہے، اور ان سرکاری اسکولوں کا بچشم خود مشاہدہ کیا ہے جہاں حکومت کے احکام کے مطابق چوتھی کلاس سے دسویں کلاس تک اردو تعلیم لازمی ہے، اور یہ تمام سرکاری اسکولوں کے لیے ضروری ہے۔ ڈاکٹر صاحب موصوف نے اپنے اس مراسلہ میں پوری اردو دنیا کی طرف سے ہماچل پردیش کو مبارکباد پیش کرتے ہوئے اپنی اس توقع کا اظہار بھی کیا ہے۔ کہ اب پنجاب کی نئی تقسیم کے بعد ہریانہ پرانت اور پنجاب کے نام سے جو ریاستیں قائم ہو رہی ہیں ان میں بھی اردو کو دوسری سرکاری زبان کے طور پر جملہ قانونی حقوق عطا کر دیے جائیں گے۔ اور اس طرح کہ جہاں عدل وانصاف اور ملک کے سیکولر نظام زندگی میں قومی اتحاد ویکجہتی کے مقاصد کو تقویت پہونچائی جائے گی، وہاں حکومت ہماچل پردیش کی قائم کردہ روشن مثال کو اور وسعت دیدی جائے گی۔" ہماچل پردیش ایک پہاڑی ریاست ہے، اور اس کی آبادی زیادہ تر ہندوؤں اور دوسرے غیر مسلموں ہی پر مشتمل ہے لیکن اس کی شرافت، انصاف پسندی بے تعصبی اور وسیع النظری کا مقام کیا ہے؟ کاش اس حد تک یوپی، بہار اور دہلی وغیرہ کی حکومتوں کی نظریں پہونچ سکتیں اور انھیں اپنی اردو کشی کے مسلسل اقدامات پر کسی ندامت وشرمندگی کا احساس ہو سکتا! (دنیا کے)

حضرت بسمل سنبھاروی کا انتقال ہوگیا

گیا۔ ۹ رجون، آج یہاں ساڑھے آٹھ بجے شب میں ہندوستان کے مشہور تاریخ اور غزل گو شاعر ابوالبیان حضرت حافظ بسمل سنبھاروی کا انتقال ۸۰ برس کی عمر میں ہوگیا۔

آپ نے ساری زندگی اردو زبان وادب کی خدمت کی۔ آپ کی تصنیفات میں ساغر ومینا، جواہر پارے، خمخانۂ دہبو، اور نوائے سروش قابل ذکر ہیں۔

آپ کے پس ماندگان میں تین لڑکے اور دو لڑکیاں ہیں۔ ادریس، سنبھاروی مدیر بسمل گیا آپ کے سب سے چھوٹے صاحبزادہ ہیں۔

(نامہ نگار آدرش)

چندرپور اردو ہائی اسکول کے لیے امداد کی اپیل

۲۵ رجون ۱۹۶۶ء کو شہر چندرپور میں اس ضلع کے پہلے اردو ہائی اسکول کا قیام عمل میں آیا تھا۔ جس کی ابتدا پانچویں کلاس کھول کر کی گئی تھی۔ اس کا پہلا سال کامیابی سے گزر گیا اور اس نئے تعلیمی سال میں یہ اسکول پورا مڈل اسکول بننے جا رہا ہے۔ یعنی پانچویں سے آٹھویں تک کلاسس شروع

ہونے والی ہیں۔

اس اسکول کی بنیاد اونچے آدرشوں پر رکھی گئی ہے رفیع احمد قدوائی میموریل ایجوکیشن سوسائٹی آپ سے درخواست کرتی ہے کہ اسکول چلانے کے لیے اپنا ہاتھ ہماری طرف بڑھائیے۔ اور اسکول کی مالی امداد کیجیے۔

اپیل کرنے والوں میں دوسرے انجمن ترقی اردو کے سکریٹری فیض انصاری صاحب بھی شامل ہیں۔ (ایک نامہ نگار)

چاندہ میں انجمن ترقی اردو (ہند) کی شاخ

اردو دوست انجمن کے ممبر بنیں

مہاراشٹر کے اردو دوستوں کو یہ سن کر مسرت ہوگی کہ انجمن ترقی اردو (ہند) کی شاخ چاندہ میں بھی قائم کر دی گئی ہے۔ چاندہ کے اردو دوستوں سے درخواست ہے کہ اردو کے مقصد کو تقویت پہنچانے کے لیے زیادہ سے زیادہ تعداد میں انجمن ترقی اردو (ہند) شاخ چاندہ کے ممبر بنیں۔

رکن سازی کے فارم حاصل کرنے کا پتہ

جناب محمد وزیر صاحب سکریٹری
انجمن ترقی اردو (ہند) شاخ چاندہ
قدوائی اسکول
جیٹ پورہ چاندہ

(م۔ ی۔ کھتری) شعبۂ نشر و اشاعت
انجمن ترقی اردو (ہند) مہاراشٹر

دہلی میں "شب خون" کی رسم اجراء

دہلی ۱۹ جون۔ آج شام ڈاکٹر محمد حسین کی ادارت میں شائع ہونے والے اردو کے نئے ادبی ماہنامے "شب خون" کو خوش آمدید کہنے کے لیے دہلی کے ادیبوں اور شاعروں کا نہایت مختصر نوٹس پر بلایا ہوا ایک خصوصی نوعیت کا اجتماع باہمی ریسٹورنٹ، بہادر شاہ ظفر مارگ نئی دہلی میں منعقد ہوا۔

زبیر رضوی نے میزبان کے فرائض انجام دیتے ہوئے شب خون اور اردو کے ادبی رسائل کے بارے میں تقریر کی اور شب خون کے اجرا کو اردو کے جدید ادب کے لیے مبارک قرار دیا اور رسالے کے ناشرین کو مبارکباد دی۔ شب خون کا شمارہ حاضرین کی نذر کیا۔ حاضرین نے نئے رسالے اور اردو کے رسائل کے عام مسائل پر بحث کرتے ہوئے اردو کے اس نئے اردو رسالے کو خوش آمدید کہا۔ اس اجتماع کے شرکاء میں اکبر، رام لعل، علی جواد زیدی، ڈاکٹر محمد حسن، فراق گورکھپوری، بلراج منیرا، کرشن موہن، رفعت سروش، سریندر پرکاش، راج کمار یاسی، محمود ہاشمی، بانی، راج نرائن راز، کیول سوری، مصباح الدین شکیل، صہبا وحید خصوصی طور پر قابل ذکر ہیں۔ اس اجتماع کی صدارت [illegible] نے کی تھی۔ زبیر رضوی کی برکت، چائے اور ناشتے پر اس خوشگوار ادبی اجتماع کا خاتمہ ہوا۔ (زبیر رضوی)

شہر میسور میں یادگار مشاعرہ

ادارۂ بیت الادب کمانی دروازہ میسور کی جانب سے مورخہ ۱۱ر جون کی شب ٹھیک دس بجے جناب محمود ایاز (مدیر سالار بنگلور) کی صدارت میں مشاعرہ کا آغاز ہوا۔ عزیز الملک جناب عزیز سیٹھ صاحب سابق ایم۔ ایل۔ سی نے مشاعرہ کا افتتاح فرماتے ہوئے محمود ایاز کا تعارف کرایا اور اردو مشاعروں کی اہمیت اور اردو زبان کی زبوں حالی پر اپنے خیالات کا اظہار فرمایا۔ افتتاحی تقریر کے بعد مشاعرہ کا باقاعدہ آغاز ہوا۔ غالباً میسور میں پہلی مرتبہ مشاعرے میں اردو کے چاہنے والوں نے اتنی کثیر تعداد میں شرکت کی ہوگی۔

جناب گلزار دہلوی صاحب کسی کام سے میسور تشریف لائے تھے۔ منتظمین کی درخواست پر آپ نے وجد انگیز کلام سنایا۔ جناب اقبال فرید صاحب نے نظامت کے فرائض انجام دیے۔ اور ہر شاعر کا منظوم تعارف کرایا۔

مندرجہ ذیل شعرائے کرام نے مشاعرے میں حصہ لیا۔

محمود ایاز، گلزار دہلوی، محمود سعید، منیر عاقل شاہی، محمد حنیف کلیم، شاہد، خلیل سیمابی (کولاری)، (نذر رحیم ڈاک...)، سالک، درخش، شانی، ماہی، سروش، بیباک، اقبال فرید، کاوش، ارمان آلدوری، معظم خطکی، امین، منصور، ڈاکٹر انور، واحد آبر، کشش، قمر اور مجاہد۔

(اے حکیم شریف سکریٹری)

انجمن صداقت پسند مصنفین کا قیام

لکھنؤ ۲۰ر جون۔ ناول نگار عادل رشید کے مکان پر کل ڈاکٹر شجاعت علی سندیلوی کی صدارت میں مقامی ادیبوں کی ایک نشست ہوئی اور "انجمن صداقت پسند مصنفین" کی تشکیل عمل میں آئی جس کے اغراض و مقاصد انسان دوستی، ایکتا اور ادب میں صالح قدروں کی ضرورت کی تبلیغ کرنا قرار دیے گئے۔ شرکاء میں امین سلونوی، ڈاکٹر سلام سندیلوی، جناب عمر انصاری، جناب ضیا عظیم آبادی، جناب مائل ملیح آبادی، جناب حیات وارثی، جناب ذکی رسول پوری اور جناب ڈم ڈم مجبوری قابل ذکر ہیں۔

(قومی آواز لکھنؤ)

انجمن کی چند نئی مطبوعات

(۱) کلام سودا	ڈاکٹر خورشید الاسلام	۶۵٫۰۰
(۲) مرزا محمد رفیع سودا	ڈاکٹر خلیق انجم	۱۰٫۵۰
(۳) [illegible] سودا اور درد	مترجم ابو سالم	۸٫۵۰
(۴) فائز دہلوی اور دیوان فائز	پروفیسر مسعود حسن رضوی ادیب	۲٫۰۰
(۵) گلشن سخن (تذکرۂ شعرائے اردو)	"	۲٫۰۰
(۶) باز دید (مجموعۂ کلام)	ڈاکٹر منیب الرحمٰن	۳٫۵۰

مالک انجمن ترقی اردو (ہند) کے لیے [illegible] ضمیر حسن قریشی نے ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھپا یا اور پبلشر [illegible] حسن نے دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ سے شائع کیا